ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

علامہ اقبال کی نظم (اُردو) میں فلسفہ مرگ وحیات

"THE PHILOSOPHY OF LIFE AND DEATH IN ALLAMA IQBAL'S URDU POETRY"

غلام مصطفیٰ

پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ اُردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی فیصل آباد

ڈاکٹر سمیرا اکبر

(Correspondence Author)

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی فیصل آباد

Abstract

Allama Iqbal's poetry offers a profound and philosophically rich exploration of the themes of life and death, viewed not as opposites but as interconnected stages of the soul's eternal journey. For Iqbal, death is not the end of existence, but a meaningful pause—a gateway to a higher realm of consciousness and spiritual evolution. Rooted in Islamic metaphysical thought and deeply informed by his concept of khudi (the self), Iqbal presents death as a necessary transition that leads to the unfolding of the soul's true potential.

In his poetic vision, earthly life is a test—a temporary phase that demands struggle, self-realization, and moral responsibility. True life, he asserts, begins after death, when the soul moves beyond the limitations of time and space to experience divine justice and ultimate reality. His reflections on death are not marked by fear or despair, but by hope, courage, and a call to inner awakening. Through symbolic imagery and philosophical depth, Iqbal transforms the idea of death into a celebration of the soul's immortality and humanity's spiritual purpose. This paper delves into Iqbal's unique philosophy of life and death, illustrating how his poetic thought transcends material concerns to inspire a deeper understanding of human existence and destiny.

Keywords: *Allama Iqbal, Urdu poetry, philosophy, life and death, khudi, spiritual journey, metaphysical thought, immortality, Islamic worldview.*

اقبال کی شاعری میں کائنات کا گہرا مطالعہ ،بقائے نوع انسانی، مناظرِ فطرت، فلسفہ مرگ وحیات اور قبل از آفرینش ومابعد از آفرینش کے واقعات بدرجہ اُتم پائے جاتے ہیں۔ اقبال نے انسانی زندگی کے مختلف گوشوں اور کائنات کے آغاز وارتقا پر گہری روشنی ڈالی۔ انہوں نے انسانی بقا اور خودی کے ذریعے حیاتِ انسانی ووجدانی کیفیات کو شعری روپ عطا کیا۔ اُن کی نظموں میں انسانی خواہشات اور خودی کے مباحث ومفاہیم وتوجیحات کو لفظی قالب میں ڈھال کر پیش کیا گیا ہے۔ ان کے خیال میں انسان نئی زندگی اور نئے جیون کا خواہش مند رہا ہے۔ وہ فطرت سے جڑے رہنے میں اپنی عافیت سمجھتا ہے۔ ڈاکٹر یوسف حسین خاں کے بہ قول:

> ”بقائے نوع کی کوشش فطرت میں ہمیں صاف طور پر نظر آتی ہے۔ گلاب کا پھول، مہکتا، دمکتا، کھلتا آس پاس کی فضا کو معطر کرتا اور پھر مرجھا کر جس خاک سے اُگا تھا اُسی میں مل جاتا ہے۔ وہ خود تو فنا ہو جاتا ہے لیکن اپنے بیجوں سے اپنی نوع کی بقا کا سامان مادی حیثیت سے مہیا کر جاتا ہے۔ وہی خاک جس میں وہ مل گیا اس کے بیجوں کی پرورش کر کے آئندہ موسم بہار تک انہیں اس قابل بنا دیتی ہے کہ اپنی نرم اور نازک ٹہنیوں سے گلاب کا پھول پیدا کر سکیں۔۔۔ فطرت، حیاتِ انسانی کے نوعی تحفظ وبقا کا اسی طرح اہتمام کرتی ہے جس طرح حیات نباتی وحیوانی کا۔ لیکن خودی اور شعور کے باعث انسانی روح کی بلندیاں نامحدود

ہو گئیں چناں چہ انساں میں موت کے بعد بھی انفرادی بقا کی شدید خواہش ہر زمانے میں موجود رہی ہے۔"(1)

اقبال کے نزدیک خودی کائنات کے اسرار و رموز سے آگاہی کا واحد ذریعہ ہے۔ اس کے ذریعے ہی انسان اپنے وجود اور بقا کے متعلق جان سکتا ہے۔ یہ راز کائنات بھی ہے اور بیداری کائنات بھی۔ یہ ازل و ابد ہے۔ یہ ایسا پانی ہے جس کی ایک ایک بوند میں حرکت و جنبش ہے۔ خودی ہی وہ موجِ دریا ہے جو تلاش و بسیار کی نئی راہیں ہموار کرتی ہے۔ اقبال ڈاکٹر نکلسن کے نام اپنے ایک خطے میں لکھتے ہیں:

"After death, there may be an interval of relaxation as the Koran speaks of a Barzakh or intermediate state which lasts until the day of resurrection. Only those egoes will survive this state of relaxation who have taken good care during the present life."(2)

اقبال کی نظم "خفتگانِ خاک سے استفسار" میں فلسفہ مرگ اور بعد از مرگ کو پیش کیا گیا ہے۔ اقبال موت کو محض ایک خیال اور ٹھہراؤ کا نام دیتے ہیں۔ اُن کے نزدیک موت میں سکون و راحت ہے۔ یہ نئے جہان تک رسائی کا ذریعہ ہے۔ نظم گو نے اس نظم میں موت کے بعد کی زندگی پر کئی سوال اُٹھائے ہیں۔ اقبال کا انداز مختلف نظر آتا ہے۔ اقبال نے ایک داستان سرا بن کر بعد از موت کے حالات کا جائزہ لینے کی کوشش کی ہے۔ اقبال نے یہ سوال اٹھائے ہیں کہ وہاں بھی انسان اضطراب میں مبتلا ہے؟ کیا انسان وہاں بھی جستجو میں ہے؟ یا موت کے بعد کی زندگی صرف اور صرف آرام و سکون کی زندگی ہے۔ کیا انسان اس دنیا کی زندگی کی طرح وہاں بھی قتیل ذوق استفہام ہے یا وہ آرام سے لذت اٹھا رہا ہے۔ اس دنیا کا انسان موت کے خوف سے خاصا ڈرا ہوا ہے۔ اُسے معلوم نہیں ہے کہ بعد از موت اُس کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا؟

کیا عوض رفتا کے اُس دیس میں پرواز ہے؟
موت کہتے ہیں جسے اہلِ زمیں کیا راز ہے؟
اضطراب دل کا ساماں یاں کی ہست و بود ہے
جستجو میں ہے وہاں بھی روح کو آرام کیا؟
وہاں بھی انساں ہے قتیلِ ذوقِ استفہام کیا؟
تم بتا دو راز جو اس گنبد گرداں میں ہے
موت اک چُبھتا ہوا کانٹا دلِ انساں میں ہے(۳)

اقبالؔ حیات بعد از موت کے قائل ہیں۔ اُن کے خیال میں دنیاوی زندگی عارضی ہے۔ یہ محض امتحان گاہ ہے۔ انسان کی اصل زندگی بعد از موت شروع ہوتی ہے۔ بعد از موت کی زندگی خیر و شر کا فرق واضح کرتی ہے۔ انسان نے دنیاوی زندگی میں جو کچھ بویا ہو گا وہ بعد از موت ضرور کاٹے گا۔ اقبالؔ کے خیال میں قیامت کا آنا انسانی بقا کے لیے ضروری ہے تاکہ انسان اپنے اعمال کے بارے میں جان کر سزا و جزا کا حق دار ٹھہرے۔ شاعر نے دنیاوی زندگی کو عارضی جب کہ بعد از موت کی زندگی کو ازلی کہا ہے۔ بہ قول ڈاکٹر رابعہ سرفراز:

"حیات بعد از موت کے حوالے سے بحث کرتے ہوئے اقبالؔ فرماتے ہیں کہ نیک و بد کا جزا و سزا دینے کے لیے ضروری ہے کہ موت کے بعد انسان زندہ رہے تاکہ انصاف کے تقاضوں کو پورا کیا جاسکے۔ اِس مختصر سی زندگی میں انسان اعلیٰ چند اوست حاصل نہیں کر سکتا۔ قرآن میں تقدیر کا جو تصور موجود ہے وہ اخلاقی اور حیاتیاتی دونوں حوالوں سے اہم ہے۔ "برزخ" جو موت اور دوبارہ اٹھانے کے درمیان انتظار کی ایک کیفیت ہے اس کا ذکر بھی ہے۔ آخرت پر ایمان ہر مسلمان پر لازم ہے۔"(۴)

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

اقبالؔ کائنات کے اسرار و رموز سے آگاہ تھے۔ اُن کے خیال میں شب و روز کا سلسلہ مرگ و حیات سے مماثل ہے۔ دن رات کا سلسلہ موت و حیات کے راز آشکار کرتا ہے۔ اُن کے نزدیک موت زندگی کا خاتمہ نہیں بلکہ یہ ایک مرحلہ ہے جو نئی زندگی تک پہنچنے سے پہلے طے کرنا پڑتا ہے۔ انسان مشرق و مغرب کے ستاروں کی طرح ہے اور یہ زبان و مکان کی قید سے آزاد ہے۔ وہ زندگی کو شعلہ قرار دیتے ہیں اور یہی انسان کے اندر ہنگامہ پیدا کرتی ہے۔ زندگی اُن کے خیال میں مسلسل کوششوں کا نام ہے۔ جبکہ موت بہت آسان ہے۔ موت مانند نسیم زیادہ ارزاں بن چکی ہے۔ نت نئی آسمانی آفات اور ایجادات نے اُسے اور بھی زیادہ آسان بنا دیا ہے۔ انسان دنیا کے کسی بھی کونے میں چھپ جائے موت لازمی آتی ہے۔ یہ دشت و صحرا، گلشن، کلبہ افلاس اور شہر ویرانی نہیں دیکھتی۔ یہ ایک ایسا ہنگامہ ہے جو قلزم خاموش میں بھی حرکت پیدا کرتی ہے۔ لیکن زندگی اسی کی نسبت مشکل ہے۔ زندگی طوقِ گلو افشار بن چکی ہے۔ یہ انسان کو مسلسل جستجو اور امتحان میں ڈالے ہوئے ہے۔ زندگی کا انجام خاکستر نہیں بلکہ یہ گوھر نایاب ہے۔ زندگی قدرت کے اسرار و رموز سے پردہ ہٹانے کا نام جب کہ موت ایک لمحہ خاموش ہے۔ موت نقش حیات کو نہیں مٹا سکتی۔ موت کے راز نہاں انسان کی پہنچ سے بالاتر ہے۔ یہ موج مضطر کو توڑنے کا ہنر ہے۔

کتنی مشکل زندگی ہے ، کس قدر آساں ہے موت
گلشنِ ہستی میں مانندِ نسیم ارزاں ہے موت
زلزلے ہیں ، بجلیاں ہیں ، قحط ہیں ، آلام ہیں
کیسی کیسی دخترانِ مادرِ ایام ہیں!
کلبہ افلاس میں ، دولت کے کاشانے میں موت
دشت ودر میں ، شہر میں ، گلشن میں ، ویرانے میں موت
نے مجالِ شکوہِ ہے ، نے طاقت گفتار ہے
زندگانی کیا ہے ، اک طوق گلو افشار ہے!
ہے اگر ارزاں تو یہ سمجھو اجل کچھ بھی نہیں
جس طرح سونے سے جینے میں خلل کچھ بھی نہیں
آہ غافل ! موت کا رازِ نہاں کچھ اور ہے
جسے کسی نہ کسی دن تباہ ہونا ہے!(۵)

اقبالؔ موت کو ایک دکھاوا سمجھتے ہیں۔ موت کے بعد انسان مرتا نہیں بلکہ نئی زندگی کا آغاز کرتا ہے۔ وہ آخرت پر یقین رکھنے والوں کو جہانِ تازہ کی نوید سناتے ہیں۔ اُن کے خیال میں دنیا آزمائش ہے اور دنیاوی زندگی عارضی ہے۔ انسان یہاں فطرت کے راز سمجھنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس امتحان کے نتائج کے لیے وہ موت کا ذائقہ چکھتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ مسلمان کو موت کا خوف نہیں ہوتا۔ بلکہ ایمان رکھنے والے موت کو راحت سمجھتے ہیں۔ بہ قول حسن الا عظمی:

> ”اقبالؔ متعدد موقعوں پر مختلف پیرایوں میں یہ نکتہ سمجھاتے ہیں کہ موت کا ڈر صرف ان ہی لوگوں کو ہو سکتا ہے جو اس کو فنائے کامل سمجھتے ہیں اور آخرت پر یقین نہیں رکھتے لیکن جو لوگ موت کو آئندہ زندگی کا پیش خیمہ سمجھتے ہیں انہیں مرنے کی کچھ پرواہ نہیں ہوتی۔ دنیائے اسلام کا سب سے بڑا فتنہ یہی ہے۔ کہ جن کی حیات اور موت خدا کے لیے ہونی چاہیے تھی وہ ہاتھ مال وزر کی محبت میں گرفتار یا موت کے خوف سے پریشان۔“(٦)

اقبالؔ کے نزدیک زندگی ایک شعلہ جو جو پھول کے دانے میں مستور ہے۔ یہی پھول کائنات کو اپنی خوشبو سے معطر کرتا ہے اور پھر مخصوص وقت کے بعد خاک نشین وہ عارضی موت کے بعد ایک نئے پھول کو جنم دیتا ہے۔ زندگی اور موت کا بھی یہی فلسفہ ہے کہ زندگی ایک پھول ہے جو موت کے بعد بھی

کھلے گی۔ موت کے بعد بھی زندگی گل بنا کر فضاؤں کو معطر کرتی ہے۔ وہ موت کو تجدید مذاق زندگی کہتے ہیں۔ موت اُن کے نزدیک خواب کے پردے میں بیداری کا دوسرا نام ہے۔

تخم گل کی آنکھ زیر خاک بھی بے خواب ہے
کس قدر نشو و نما کے واسطے بے تاب ہے
زندگی کا شعلہ اس دانے میں جو مستور ہے
خود نمائی ، خود فزائی کے لیے مجبور ہے
پھول بن کر اپنی تربت سے نکل آتا ہے یہ
موت سے گویا قبائے زندگی پاتا ہے یہ
موت ، تجدید مذاقِ زندگی کا نام ہے[۷]

نظم خضر راہ کے حصہ "زندگی" میں اقبالؔ نے زندگی کا حقیقی فلسفہ بیان کیا ہے۔ شاعر کے خیال میں زندگی ایک جہان نامعلوم ہے۔ یہ ایک راز کائنات ہے جسے کوئی بھی نہیں پا سکتا۔ زندگی عیاشی کا اڈہ نہیں بلکہ یہ آزمائش کا نام ہے۔ زندگی کبھی تسلیم جان تو کبھی جاں بن جاتی ہے۔ اِس کی پیمائش پیمانہ امروز و خرد اسے نہیں کی جا سکتی۔ کیوں کہ اس کے کئی روپ ہیں۔ کبھی یہ جاوداں تو کبھی پیہم رواں بن کر اپنے ہونے کا احساس فراہم کرتی ہے وہ زندگی کو ضمیر کن فکاں کہتے ہیں۔ مردہ ضمیر کے لیے مدت ارزاں ہے جب کہ زندگی گراں ہے۔ زندگی اپنے ہونے کا احساس دلانے کا نام ہے۔ زندگی کی حقیقت کوہکن سے بہتر کوئی نہیں جانتا۔ اُسے معلوم ہے کہ سنگ تراشا کس قدر مشکل ہے۔ زندگی جوئے شیر کا نام ہے۔ یہ غلامی میں موت کا پیغام دیتی ہے جب کہ آزادی میں یہ بحر بیکراں بن کر راحت فراہم کرتی ہے۔ زندگی اپنے آپ کو ظاہر کرتی ہے۔ کبھی یہ مٹی کے پیکر میں ڈھل جاتی ہے تو کبھی خاک سے گل بن کر ابھرتی ہے۔ زندگی قلزم ہستی میں ایک امتحان کا نام ہے۔ یہ انسانی وجود کی تلاش کا ذریعہ ہے۔

برتر از اندیشہ سود و زیاں ہے زندگی
ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیم جاں ہے زندگی
تو اُسے پیمانہ امروز و فردا سے نہ ناپ
جاوداں ، پیہم رواں ، ہر دم جواں ہے زندگی
اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے
سر آدم ہے ، ضمیر کن فکاں ہے زندگی
زندگانی کی حقیقت کوہ کن کے دل سے پوچھ
جوئے شیر و تیشہ و سنگِ گراں ہے زندگی
بندگی میں گھٹ کے رہ جاتی ہے اک جوئے کم آب
اور آزادی میں بحر بیکراں ہے زندگی
آشکارا ہے یہ اپنی قوتِ تسخیر ہے
گرچہ اک مٹی کے پیکر میں نہاں ہے زندگی
قلزم ہستی سے تو ابھرا ہے مانند حباب
اس زیاں خانے میں تیرا امتحاں ہے زندگی[۸]

اقبالؔ کے نزدیک عشق مرگ وحیات کی قید سے آزاد ہوتا ہے۔ عشق کو وہ زندگی کا اہم جزو قرار دیتے ہیں۔ عشق ایک نغمہ کے روپ میں اُن کے کلام میں نظر آتا ہے۔ شاعر کے نزدیک عشق ایسا نور ہے جو زندگی میں تازگی و روشنی لاتا ہے۔ یہ زندگی میں حرکت پیدا کرتا ہے۔ مردہ دلی کو نورِ حیات عطا کرتا ہے۔ یہ نار حیات بھی ہے اور نورِ حیات بھی۔ زندگی یعنی حیات عشق کی لذت سے خالی ہو تو انسان محض ایک مٹی کا پتلا بن کر رہ جاتا ہے۔ اس کی حیثیت صرف خاک کی سی رہ جاتی ہے:

عشق کی مستی سے ہے پیکر گل تابناک
عشق ہے صہبائے خام ، عشق ہے کاس الکرام
عشق فقیر حرم ، عشق امیر جنود
عشق ہے ابن السبیل ، اس کے ہزاروں مقام
عشق کے مضراب سے نغمہ تارِ حیات
عشق سے نورِ حیات عشق سے نارِ حیات(۹)

اقبالؔ عشق کو حیات کا اہم سرمایہ قرار دیتے ہیں۔ اس کے بغیر حیات انسانی بے معنی ہے۔ یہ انسان کے نفس، عقل وشعور اور روح کو جاننے کا ذریعہً ہے۔ عشق انسانی خودی اور ذات کو ماپنے کا ذریعہً ہے۔ یہ انسان کے افکار سوچ اور خیالات کی عکاسی کرتا ہے وہ خودی کو زیست کے لیے لازمی قرار دیتے ہیں۔ کیوں کہ اُن کے خیال میں خودی عشق کی منزل کو آسان کرتی ہے اور یوں زندگی کے نہاں گوشے عیاں ہونے لگتے ہیں بہ قول ڈاکٹر غلام عمر خاں:

”اقبال کے نصب العینی صاحب عشق کی معراج خودی کے مبر امطلق، یعنی محیط کل خودی کا تعرب، انسانی خودی کے اسی انتہائی نقطہ عروج کی بدولت ممکن ہے۔“(10)

اقبالؔ نے زندگی کو سوز و دروں سے جوڑ کر خودی کے افکار کو واضح کیا۔ اُن کے خیال میں اگر انسان اپنے نفس کو پہچان گیا تو۔ زندگی کے اسرار کو با آسانی جان سکتا ہے۔ یہ انسان کے اندر حوصلہ اور غیرت پیدا کرتا ہے۔ خودی ہی انسان کو زندہ دل بناتی ہے اور انسان ایمان کی طاقت سے کائنات کی تسخیر کرتا ہے۔ خودی کو نشوونما بھی زندگی سے مزین ہے۔ زندگی دراصل ایک ایسا ہوتی ہے جو اس گہر کو صاف کرتی ہے اور اُسے انمول بناتی ہے:

”جوہر خودی کی کشادگی اور نمود، خودی کی تشکیل اور نشوونما کے تابع ہے۔ فرد اپنی شخصیت کے بنیادی تفرد کو ترقی دیے سے دیگر افراد سے ممتاز ہوتا ہے۔ خودی اُس بنیادی تفرد، آب نسیاں کے اسی قطرے کو اپنے وجود کی عمیق خلوتوں میں محفوظ رکھ کر اس کو سخت اور مستحکم بنا کر اور جلادے کر بالآخر ایک گہر میں تبدیل کر دیتا ہے۔

زندگی در صدف خویش گہر ساختن است“(11)

نظم گو اپنی ذات کی پہچان اور خُدا سے محبت اور اُس کی اطاعت کرنے پر زور دیتے ہیں۔ اگر انسان اپنی ذات کو پہچان گیا تو زندگی اُس کے لیے انمول رتن بن سکتی ہے۔ زندگی کا وجود سوز دروں سے ہے کیوں کہ خاک سے شرارہ کی امید نہیں رکھی جاسکتی۔ مومن کا سوزِ دروں خودی ہے۔ اس لیے کل کائنات کی تسخیر کر سکتا ہے:

ہے سوز دروں زندگانی
اٹھتا نہیں خاک سے شرارہ
صبح غربت میں اور چمکا
ٹوٹا ہوا شام کا ستارہ
مومن کے جہاں کی حد نہیں ہے

مومن کا مقام ہر کہیں ہے (۱۲)

اقبالؔ کا تصور مرگ وحیات انسان اور کائنات کے گرد محور قص نظر آتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ زندگی کا راز صرف اور صرف انسان کے سینہ میں دفن ہے۔ زندگی کا راز پتہ کرنا مشکل ہے۔ زندگی تلاش و جستجو میں محو رہنے کا نام ہے۔ یہ تحیر کا نام ہے۔ زندگی کا سوز و ساز الگ اور نرالا ہے۔ یہی سوز و ساز جس کو مات نہیں ہے۔ یہی سوز و ساز کائنات کی روح ہے۔ اگر یہ مسلمان کو بنا دیا جائے تو وہ دنیا میں اپنا کھویا ہوا مقام حاصل کر سکتا ہے:

ترے سینے میں ہے پوشیدہ راز زندگی کہہ دے
مسلماں سے حدیث سوز و ساز زندگی کہہ دے (۱۳)

اقبالؔ کے نزدیک موت محض جسم کی تبدیلی کا نام ہے۔ موت ایک مسافر خانہ ہے۔ جہاں ہر روح ٹھہرتی ہے ایک نئے جسم میں منتقل ہو کر نئی زندگی پاتی ہے۔ موت عالمِ خیال کا نام ہے۔ یہ ایک خیال ہے۔ یہ روح جسم سے الگ ہو کر بھی بدن سے نہیں نکل سکتی۔ اگر جسم میں شرارہ باقی رہے تو نئی زندگی آسان ہو سکتی ہے۔ اگر سورج اپنی ہی کرن سے بے زاری محسوس کرے گا تو اس کی چمک باقی نہیں رہ پائے گی۔ اسی طرح اگر روح بدن سے اکتاہٹ محسوس کرے گی تو وہ سکون و قرار نہیں پا سکے گی۔ وہ نئی زندگی اور بعد از موت کی زندگی کی لذت سے محروم ہو جائے گی۔

یہ نکتہ میں نے سیکھا بُو الحسن سے
کہ جاں مرتی نہیں مرگِ بدن سے
چمک سورج میں کیا باقی رہے گی
اگر بیزار ہو اپنی کرن سے! (۱۴)

اقبالؔ کے ہاں زندگی ایک مسلسل حرکت، کوشش اور تلاش و جستجو کا نام ہے۔ یہ اپنی پہچان کا نام ہے۔ موت ایک نئی زندگی میں گزرنے کا عمل ہے۔ مرگ بدن سے جان یعنی روح نہیں مرتی بلکہ جزا و سزا کے عمل سے گزر کر نئی زندگی پاتی ہے۔ انسانی زندگی کوشش، فکر اور سوچ کا نام ہے۔ زندگی موت کی نسبت مشکل ہے۔ یہ مقام امتحان ہے۔ زندگی محض زندہ ضمیر والے انسان کی ہے۔ یہ آزمائش کا نام ہے۔ یہی اقبالؔ کا فلسفہ مرگ وحیات ہے۔

حوالہ جات

1. یوسف حسین خان، ڈاکٹر، روح اقبال، لاہور: القمر انٹر پرائزز، 1996ء، ص: 256-255
2. Muhammad Iqbal, The Secrect of Self, Translated by Reynold A. Nicholson, Sh., Muhammad Ashraf, Lahore, 1975, P:xxiv
3. محمد اقبال، ڈاکٹر، کلیات اقبال، (اُردو) لاہور: علم و عرفان پبلشرز، 2014ء، ص: 40
4. رابعہ سرفراز، ڈاکٹر، اقبلا کا تصور خودی، جبر و قدر اور حیات بعد الموت، مضمون، مشمولہ: خیابان، ششماہی شمارہ نمبر 69، جلد دوم، جامعہ پشاور، 2024ء، ص: 73
5. محمد اقبال، ڈاکٹر، کلیاتِ اقبال اُردو، ص: 230-231
6. محمد حسن الاعظمی، الحیات ولموت فی فلسفہ اقبال یعنی اقبال کا فلسفہ حیات و موت، دکن: بزم اقبال، 1975ء، ص: 31
7. محمد اقبال، ڈاکٹر، کلیاتِ اقبال اُردو، ص: 233
8. ایضاً، ص: 259
9. ایضاً، ص: 95
10. غلام عمر خاں، ڈاکٹر، اقبال کا تصور عشق، دکن: ادارہ ادبیات اُردو، س ن، ص: 79
11. غلام عمر خاں، ڈاکٹر، اقبال کا تصورِ خودی، دکن: ادارہ ادبیات، 1966ء، ص: 110

12. محمد اقبال، ڈاکٹر، کلیاتِ اقبال اُردو، ص:103
13. ایضاً، ص:269
14. ایضاً، ص:87

Refrences:

1. Khan, Yusuf Husain. *Ruh-e-Iqbal*. Lahore: Al-Qamar Enterprises, 1996, pp. 255–256.
2. Iqbal, Muhammad. *The Secret of the Self*. Translated by Reynold A. Nicholson. Lahore: Sh. Muhammad Ashraf, 1975, p. xxiv.
3. Iqbal, Muhammad. *Kulliyat-e-Iqbal (Urdu)*. Lahore: Ilm-o-Irfan Publishers, 2014, p. 40.
4. Sarfraz, Dr. Rabia. "Iqbal ka Tasawwur-e-Khudi, Jabr-o-Qadar aur Hayat baad az Maut." *Khiyaban*, Biannual Journal, No. 69, Vol. 2, University of Peshawar, 2024, p. 73.
5. Iqbal, Muhammad. *Kulliyat-e-Iqbal (Urdu)*, pp. 230–231.
6. Al-A'zmi, Muhammad Hasan. *Al-Hayat wa al-Maut fi Falsafah-e-Iqbal yani Iqbal ka Falsafah-e-Hayat o Maut*. Deccan: Bazm-e-Iqbal, 1975, p. 31.
7. Iqbal, Muhammad. *Kulliyat-e-Iqbal (Urdu)*, p. 233.
8. Ibid., p. 259.
9. Ibid., p. 95.
10. Khan, Dr. Ghulam Umar. *Iqbal ka Tasawwur-e-Ishq*. Deccan: Idara Adabiyaat Urdu, n.d., p. 79.
11. Khan, Dr. Ghulam Umar. *Iqbal ka Tasawwur-e-Khudi*. Deccan: Idara Adabiyaat, 1966, p. 110.
12. Iqbal, Muhammad. *Kulliyat-e-Iqbal (Urdu)*, p. 103.
13. Ibid., p. 269.
14. Ibid., p. 87.

Bibliography:

Hasan al-A'zami, M. (1975). *Al-Hayat wal-Maut fi Falsafah-e-Iqbal* [The Philosophy of Life and Death in Iqbal's Thought]. Deccan: Bazm-e-Iqbal.

Iqbal, M. (2014). *Kulliyat-e-Iqbal (Urdu)*. Lahore: Ilm-o-Irfan Publishers.

Iqbal, M. (1975). *The Secret of the Self* (R. A. Nicholson, Trans.). Lahore: Sh. Muhammad Ashraf.

Khan, G. U. (1966). *Iqbal ka Tasawwur-e-Khudi* [Iqbal’s Concept of Self]. Deccan: Idara Adabiat.

Khan, G. U. (n.d.). *Iqbal ka Tasawwur-e-Ishq* [Iqbal’s Concept of Love]. Deccan: Idara Adabiat Urdu.

Khan, Y. H. (1996). *Ruh-e-Iqbal*. Lahore: Al-Qamar Enterprises.

Shahid, M. N. A., & Akbar, S. (2024). Uniqueness of *Radif* in *Ghazaliat* of Allama Muhammad Iqbal. *Tahqeed, 5* (2), 17–26. https://tahqeed.pk/index.php/tahqeed/article/view/141